تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جلد نمبر: 6

شمارہ: 08

انٹرنیٹ گزٹ

اگست 2016ء

المنار

مجلس ادارت: رانا عبدالرزاق خان، عطاء القادر طاہر، سید حسن خان، آصف علی پرویز - منیجر: سید نصیر احمد

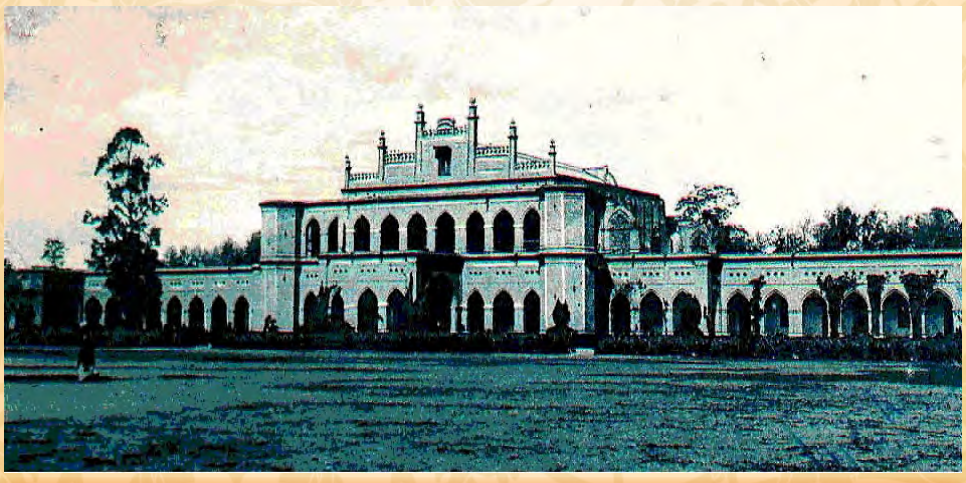

Taleem-Ul-Islam College Old Students Association - U.K

53, Melrose Road, SW18 1LX, London.

Ph. 020 8877 5510 - Fax: 020 8877 9987

ticassociation@gmail.com - www.alminaruk.com

قال اللہ تعالیٰ

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

(الاحزاب:57)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جو مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے جب تک وہ اس کام میں لگا رہے فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اب بندے کا اختیار ہے کہ وہ درود کم پڑھے یا زیادہ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 576)

ارشاد سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

”جلسہ کے ایام بالخصوص ذکر الٰہی اور درود پڑھتے ہوئے گزاریں اور التزام کے ساتھ نمازوں کی پابندی کریں... اسی طرح انتظامیہ کیلئے یہ ہے کہ لنگر خانہ میں یا ایسی ڈیوٹیاں جہاں سے ہلنا ان کیلئے مشکل ہے وہاں نماز کی ادائیگی کا انتظام ہونا چاہئے اور ان کے افسران کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں۔“

(خطبات مسرور جلد اوّل صفحہ 194)

دُعا کی طاقت

دعا ایک ایسی طاقتور چیز ہے کہ دنیا میں اور کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور بھی بہت بڑی بڑی طاقتیں ہیں، مثلاً پانی کی طاقت، بجلی وغیرہ کی طاقت ہے۔ مگر دعا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ایک بزرگ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ جس جگہ رہتے تھے ان کے پڑوس میں ایک بڑا امیر رہتا تھا۔ جو ہر وقت گانے بجانے میں مشغول رہتا۔ جس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی۔ ایک دن وہ اس کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ دیکھو بھئی میں تمہارا ہمسایہ ہوں۔ اس لئے میرا بھی تم پر حق ہے۔ اوّل تو تمہیں اس لغو کام سے خود ہی رُک جانا چاہئے تھا۔ لیکن اگر ایسا نہیں کیا تو اب میری خاطر ہی اسے ترک کر دو۔ کیونکہ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے وہ چونکہ بڑا رئیس اور صاحب رسوخ تھا اس نے کہا تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔ ہم کبھی نہیں رکیں گے۔ انہوں نے کہا اگر آپ اس طرح نہیں رکیں گے تو ہم بھی مجبور ہیں ہم اور طرح سے روکیں گے۔ اس نے کہا کیا تم روکو گے؟ کیا تم میں اتنی طاقت ہے؟ میں ابھی سرکاری گارڈ منگواتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم گارڈ کا بھی مقابلہ کریں گے۔ اس نے کہا تم ان کا کیا مقابلہ کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا نادان! ہمارا مقابلہ توپوں اور بندوقوں سے نہیں ہوگا بلکہ سہام اللیل سے ہوگا۔ لکھا ہے: یہ الفاظ انہوں نے کچھ ایسے دردناک لہجہ میں فرمائے کہ اس کی چیخیں نکل گئیں اور بول اُٹھا: اس کا مقابلہ نہ میں کرسکتا ہوں نہ میرا بادشاہ کرسکتا ہے۔ آئندہ کے لئے میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کو گانے بجانے کی آواز نہیں سنائی دے گی۔ تو دعا میں وہ طاقت ہے کہ کوئی توپ وتفنگ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ تیر زمین سے نہیں بلکہ آسمان سے آتے ہیں پھر انسانوں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا انسانوں سے لے کر خود پھینکتا ہے اور خدا کے پھینکے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا۔

(خطباتِ محمود جلد 5 صفحہ 141 بحوالہ الفضل 4 جولائی 1916ء)

خدا دیکھنے کا مطالبہ..

کپورتھلہ کی جماعت کے بانی اور گلستان احمدیت کے گل سرسبز حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی ایک حقیقت افروز اور روح پرور روایت:

’’کلکتہ کا ایک برہمن مجسٹریٹ ...قادیان آیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میں خدا کا قائل نہیں ہوں اور سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ کیا آپ مجھے خدا دکھا دیں گے... حضور علیہ السلام نے فرمایا آپ لندن گئے ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا: لندن کوئی شہر ہے!، اس نے کہا سب جانتے ہیں۔ فرمایا: آپ لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ اس نے کہا میں لاہور بھی نہیں گیا۔ فرمایا: قادیان آپ کبھی پہلے بھی تشریف لائے تھے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کس طرح معلوم ہوا کہ قادیان کوئی جگہ ہے اور وہاں پر کوئی ایسا شخص ہے جو تسلی کرسکتا ہے۔ اس نے کہا سنا تھا۔ آپ علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا:

’’آپ کا سارا دارومدار سماعت پر ہی ہے اور اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔‘‘

پھر آپ علیہ السلام نے ہستی باری تعالیٰ پر تقریر فرمائی اور سامعین پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ ایک کیفیت طاری ہوگئی۔

جہاں تک برہمن مجسٹریٹ کا تعلق ہے اس نے جلدی سے یکہ منگوایا اور سوار ہوگیا۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایسی جلدی کیوں جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا:

’’میں احمدی ہونے کی تیاری کر کے نہیں آیا تھا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر رات تک میں یہاں رہا تو صبح یقیناً مجھے احمدی ہونا پڑے گا۔ مجھے خدا پر ایسا یقین آ گیا ہے، گویا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ میرے بیوی اور بچے ہیں، ان سے مشورہ کرلوں، اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آؤں گا۔‘‘

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 113-114
مولفہ محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے طبع اوّل اکتوبر 1957ء)

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے کی مجلس عاملہ ونائبین کی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ایک یادگار تصویر برموقع جلسہ سالانہ یوکے 2016

''ریسرچ کے میدان پر چھا جائیں..''

یہ عمومی ہدایت میں پہلے بھی دے چکا ہوں اور اب بھی دیتا ہوں کہ سائنس کے مضامین کی طرف اپنا زیادہ رجحان کریں اور پھر اس میں بھی ریسرچ کی طرف جائیں۔ کیونکہ آئندہ جو زمانہ آرہا ہے۔ اس میں جب بھی اگر ان کو خیال آ گیا اور آہستہ آہستہ یہ خیال ابھرنا شروع ہوگیا ہے، یورپ میں بھی اور انگلستان میں بھی کہ ہمیں یہاں کے لوکل سٹوڈنٹ کو ریسرچ کی طرف آنا چاہئے۔ سائنس کی طرف آنا چاہئے۔ لیکن جس دن یہ خیال پکا ہوگیا اس دن آپ کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس لئے اس سے پہلے کہ یہ لوگ ریسرچ کی فیلڈ میں آگے آئیں اور پھر بہرحال یہاں کے جو اس ریجن کے لوگ ہیں ان کو پہلی Preference ہوگی۔ بیشک ان ملکوں کے ہوں لیکن اگر احمدی نہیں ہیں تو پھر کوئی فائدہ نہیں۔

حضور انور نے فرمایا احمدی حقیقت میں جب ریسرچ میں آگے آئیں گے تو پھر قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اپنی ریسرچ کو آگے بڑھائیں گے۔ اس لئے اس سوچ کے ساتھ احمدی کو آگے آنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ آپ پاکستانی ہیں یا جرمن ہیں۔ احمدی سٹوڈنٹس جو بھی ہیں ان کو آگے آنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ غیر مسلم آگے آئیں اور جو ریسرچ کا میدان ہے اس پر چھا جائیں۔ اس وقت تک تو وہ چھائے ہوئے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کے لئے بڑا اچھا موقع ہے آگے آنا چاہئے اور عمومی طور پر تو میں سٹوڈنٹس کو یہی ہدایت دیا کرتا ہوں۔ لیکن باقی بھی ہر میدان میں جہاں جہاں بھی آپ جا رہے ہیں۔ اس میں اتنی پرفارمنس کریں کہ واضح طور پر نظر آئیں اور آپ ایسے سٹوڈنٹس ہوں جن کے رزلٹ حقیقت میں Significant ہوں۔

(طلبہ کے لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی زریں ہدایات بحوالہ الفضل ربوہ 16 جولائی 2010ء)

حاضرین نے قہقہہ لگایا تو.....

مرزا غالب مشکل گو شاعر بھی تھے اور فلاسفر بھی۔لیکن جب جام دو آتشہ کے نشہ میں شعر کہتے تھے تو کبھی کبھی لفظ یا فقرہ شعر میں محذوف بھی ہو جاتا تھا۔اگر چہ کھینچ تان کر اس شعر کے معنے تو نکل سکتے تھے مگر اس کھینچا تانی کے لئے بھی ماڈرن دماغ ہی چاہئے تھا۔شاعر پرستی بھی ایک فیشن ہے۔اس موجودہ زمانہ میں جب غالب ہر دلعزیز ہو گئے ہیں تو ہر شخص خواہ لائق ہو یا نالائق ان کی تائید کرنے لگا ہے۔

بے معنی اشعار کے معنی نکلنے لگے ہیں اور ٹٹ پونجیئے بھی غالب دان بن گئے ہیں۔جو باتیں مومن، ذوق اور دیگر ائمۃ الشعراء کی سمجھ میں نہ آئی تھیں وہ آج کل کے سینما بین نوجوانوں کو نظر آنے لگیں..... میرا یہ مطلب نہیں کہ غالب معمولی شاعر تھے مگر بعض اشعار ان کے مشکل اور دقیق اور بعض واقعی بے معنی ہوا کرتے تھے اور سب اہل الرائے ادیبوں اور شاعروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے مگر آج کل ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ان کو ناواجب طور پر آسمان پر چڑھا رہا ہے۔انہی میں سے ایک ہمارے دوست محمد جی صاحب بھی تھے۔وہ کہا کرتے تھے:

> ''واہ غالب ظالم غالب تیرا کلام کیسا عجیب ہے۔میرے نزدیک تو تیرا ایک شعر بھی بے معنی نہیں ہے۔ایک بندش بھی بغیر خوبی کے نہیں ہے۔وہ لوگ بدتمیز، بے علم اور احمق ہیں جو تیرے اشعار کو مشکل یا بے معنی کہتے ہیں۔مجھ سے پوچھیں تو میں ان کو تیرے اشعار آبدار کی تفسیر کر کے بتاؤں''۔

جولائی ۱۹۰۶ کا زمانہ تھا۔ایک دن جب میں ان کے ایسے فقرے سنتے سنتے تھک گیا تو ان سے عرض کیا کہ ''بھائی محمد جی صاحب ہمارے پاس بھی آپ کے مکرم و محترم غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل ہے۔جب جانیں تم اس کے صحیح معنی کرو ورنہ شیخی بگھارنا کوئی خوبی نہیں''۔کہنے لگے ابھی لائیے ابھی۔میں نے عرض کیا کل پیش کروں گا۔چنانچہ رات کو ہماری پارٹی نے غالب بن کر انکی طرز کی ایک غزل بنائی۔اس سازش میں تین چار آدمی شریک تھے۔

دوسرے دن جب محمد جی صاحب تشریف لائے تو ہم نے وہ غزل پیش کی۔پہلے تو دیر تک اسے پڑھتے رہے۔پھر فرمانے لگے ''بے شک ہے تو یہ غالب ہی کی'' پھر جھومنے لگے ''واہ کیا کلام ہے۔کیا باریک نکات ہیں۔کیا الفاظ کی بندش ہے۔کیا گہرائیاں ہیں۔کیا معانی ہیں۔بس قربان ہونے کو جی چاہتا ہے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ایک شعر کی باریکیاں اور معنی بیان کرنے شروع کئے۔جب آخری شعر کی تفسیر سے فارغ ہوئے تو حاضرین نے ایک قہقہہ لگایا۔پھر تالیاں پیٹیں اور آخر میں تین دفعہ ہپ ہپ ہرے کا نعرہ بلند کیا۔محمد جی صاحب بیچارے پریشان سے ہو گئے۔کہنے لگے کہ کیا بات ہے۔آخر جب اصل بات معلوم ہوئی تو شرمندگی کے مارے ان کی یہ حالت ہو گئی کہ جیسے گھڑوں پانی سر پر پڑ گیا ہو۔بار بار پوچھتے تھے کہ مجھے سچ بتاؤ واقعی یہ غزل غالب کی نہیں ہے۔کہیں مجھے بنا تو نہیں رہے۔مگر جب انہیں یقین آ گیا تو پھر ایسے فرو ہوئے کہ مدتوں تک ان کی زیارت نصیب نہ ہوئی''۔

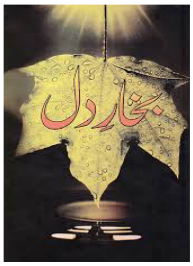

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی ''بخار دل'' سے اقتباس)

عمر رواں کے سال کہاں اور کدھر گئے
کچھ بے عمل چلے گئے، کچھ بے ثمر گئے
جوبن اُڑا، جوانی لُٹی، بال و پر گئے
کی توبہ ہر خزاں میں مگر پھر مُکر گئے
اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

کچھ شعر و شاعری کا بجایا کئے رُباب
کچھ دردِ سر نے اور دمہ نے کیا خراب
بے خوابیوں میں کٹ گئیں شب ہائے بے حساب
اعمال پھر بھی کرتے رہے ہائے نا صواب
اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ)

آہ..! میرے چند محسن رفیق..

(سرافتخار احمد ایاز)

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

محترم چوہدری محمد علی مضطر عارفی مرحوم

ایک دن پرانی یادوں کو کھنگالتے ہوئے تصاویر دیکھ رہا تھا کہ ایک پرانی تصویر سامنے آئی تو میری نظریں چوہدری محمد علی مضطرؔ صاحب کے چہرے پر جم گئیں اور جذبات کے تلاطم نے ایک ہیجان کی کیفیت پیدا کردی۔ یادوں کی لڑیاں بکھرنے لگیں۔ ۱۹۵۴ء میں اُن کی شفقت اور شاگردی کا فیض پایا اور پھر پچاس برس بعد اُن کے ساتھ وکالت تصنیف میں پچاس دن خدمت کا شرف حاصل کیا۔ فرشتہ سیرت اور اوصافِ حمیدہ کا مجسمہ۔ افسر وہ تھے اور میں ایک ادنیٰ ترین خادم۔ لیکن عجز وانکساری کا یہ عالم تھا کہ خادموں کے ساتھ عزت و احترام کا ایسا سلوک تھا کہ ''بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں'' کی تصویر نظر آتی تھی۔ خلافت کے ساتھ فدائیت اور محبت کا یہ عالم کہ جہاں ذکر آیا اُن کی آنکھوں سے اشکوں کے قطرات اُن کے عشق ووفا کی داستان سمجھا دیتے۔ وہ ایک شمع تھے جو اپنے ساتھ ہر ایک کو فروزاں کرتی اور اُن کی روشنی اب بھی تمام دلوں کو منور کر رہی ہے۔ جذبات کو قابو میں لانا آسان نہیں ہوتا۔ بلاشبہ چوہدری محمد علی مضطرؔ صاحب ایک منفرد شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین۔

محترم منصور احمد بی ٹی صاحب مرحوم

محترم منصور احمد بی ٹی صاحب پیارے لارڈ طارق بھائی صاحب کے ابا، بہت پیارے مخلص انسان تھے۔ نہایت سادہ طبیعت پائی تھی۔ کسی چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی عار نہ سمجھتے تھے۔ پیاروں کی خدمت میں اپنی تکلیف بھول جاتے اور ہر ایک کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہمدردی کا قابلِ رشک نمونہ تھے۔ جماعت اور خلافت کے ساتھ عشق ووفا کا تعلق اور خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار۔ آخر دم تک جماعت کے کاموں میں مگن رہے۔ طبیعت اچھی ہو یا نہ ہو وہ اپنے خدمت کے مورچے پر حاضر رہتے اور ساری عمر یہی سلسلہ رہا۔ ماشاء اللہ، اُنہوں نے حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی صحبت کا فیض بھی پایا بلکہ لندن سے اُن کے پاکستان واپس جانے والے آخری سفر میں اُن کو خلیفۂ

وقت کے ارشاد پر اُن کی رفاقت کا اعزاز بھی نصیب ہوا۔ میرے ساتھ بھی خاص قربت کا تعلق تھا۔ بہت یاد آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو خاص علمی اور ادبی صلاحیتوں سے نوازا تھا نثر اور نظم میں اُن کے جذبات کی گہرائیوں اور مشاہدات کی وُسعت تک رسائی ہوجاتی تھی۔

محترم مشتاق احمد بٹ صاحب مرحوم آف بریڈفورڈ

محترم مشتاق احمد بٹ صاحب آف بریڈفورڈ یارک شائر اور لندن کی ادبی محفلوں کی جان تھے۔ نہایت مخلص، مشفق ومہربان، اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ میرے ساتھ اُن کا تب تعارف ہوا جن دنوں وہ صدر جماعت بھی تھے۔ سادہ، نفیس اور سادہ طبیعت پائی تھی۔ دلچسپ لطائف کو اپنے منفرد انداز میں سنا کر محفل کو زعفرانِ زار بنا دیتے اور محفل میں جان ڈال دیتے۔ مشہور شعراء کے خوبصورت اشعار نوٹ بھی رکھتے اور یاد بھی، حافظہ بلا کا تھا۔ ذوقِ لطیف بھی رکھتے تھے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی سے بھی نوازا تھا۔ منظوم کلام کو اس خوش الحانی سے ادا کرتے کہ اہلِ مجلس جھوم جھوم جاتے۔ اکثر محفلوں میں سبھی لوگ ان کی سریلی آواز میں کچھ نہ کچھ سننے کے متمنی ہوتے۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔ میں نے کئی بار اصرار کیا کہ اپنا کلام شائع کریں مگر اُن کی طبیعت میں عاجزی اور انکساری اسقدر تھی کہ نام ونمود کا قطعاً کوئی

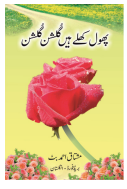

شوق نہ تھا۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد جو کچھ تھا مجھے بھجوادیا اور اس طرح ''پھول کھلے ہیں گلشن گلشن'' معرضِ وجود میں آئی۔ کتب چھپ کر آگئیں تو خوش ہوئے۔ لیکن کتب کے بکس ایک طرف پڑے کے پڑے رہ گئے۔ خیر پھر کسی طرح کتاب کی رُونمائی بھی ہوگئی۔ اُن کے اشعار اُن کے دل کی آواز تھے۔ خاکسار سے والہانہ محبت کا انوکھا انداز تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی اُن کو انوکھا پیار دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

جستہ جستہ

”آفٹر نون“

فیروز خان نون نے دوسری شادی کی تو مولانا عبدالمجید سالک صاحب سے کسی نے دریافت کیا ”مولانا! نون صاحب کی پہلی بیگم کو 'بیگم نون' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ان کی دوسری بیگم کو کیا کہا جائے گا؟“

مولانا نے بے ساختہ جواب دیا: ”آفٹر نون“

❁❁

ایک دفعہ جوش ملیح آبادی مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کیلئے گئے اور ملاقاتیوں کے کمرے میں بیٹھ کر اپنے نام کا رقعہ اندر بھجوا دیا۔مولانا ابوالکلام آزاد بعض ضروری معاملات پر غور و فکر میں مصروف تھے اس لئے جوش ملیح آبادی کا کارڈ نہ دیکھ سکے۔ادھر جوش صاحب نے انتظار کی طوالت سے گھبرا کر یہ شعر لکھ کر اندر بھجوا دیا اور خود فوراً ہی وہاں سے چلے آئے۔شعر یہ تھا:

نامناسب ہے خون کھولانا
پھر کسی اور وقت مولانا

❁❁

کم کھانے سے دماغ جوان رہتا ہے

واشنگٹن (اے ایف پی) اٹلی کے سائنسدانوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے مالیکیولر پراسس دریافت کیا ہے جس کے مطابق کم کھانا دماغ کو بڑھاپے کے اثرات سے محفوظ اور جوان رکھتا ہے ۔یہ ریسرچ امریکی جرنل میں شائع ہوئی ہے۔

میرے مامن کو کب ہوں گے وہ نگہدار نصیب

(ثاقب زیروی)

اے وطن جب بھی تجھے میری ضرورت ہوگی
میری ہر سانس تحفظ کی ضمانت ہوگی
میں کہ اِک راندۂ درگاہ ترا ٹھہرا ہوں
دیکھنا مجھ سے ہی اک دن تری زینت ہوگی
جاگزیں قائد اعظم کے ارادوں میں جو تھی
تیری عظمت کی ضمانت وہی قوت ہوگی
میرے مامن کو کب ہوں گے وہ نگہدار نصیب!
جن کی آنکھوں میں حیا اور مروت ہوگی
اب تو ہر لحہ قیامت کی طرح گزرے ہے
کون کہتا تھا کہ اک روز قیامت ہوگی
”مالک الملک“ کو روداد سناؤں گا وہیں
سنتے ہیں حشر میں بے لاگ عدالت ہوگی
اُس سے بڑھ کر ہے بھلا کون علیم اور خبیر
”میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی“

غزل..امجد اسلام امجد

وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پہ برس گئیں
دلِ بے خبر میری بات سُن، اُسے بھول جا، اُسے بھول جا
میں تو گُم تھا تیرے دھیان میں، تیری آس تیرے گمان میں
صبا کہہ گئی میرے کان میں، مرے ساتھ آ، اُسے بھول جا
کسی آنکھ میں نہیں اشکِ غم، تیرے بعد کچھ بھی نہیں ہے کم
تجھے زندگی نے بُھلا دیا، تو بھی مُسکرا، اُسے بھول جا
کیوں اٹا ہے غبار میں، غم زندگی کے فشار میں
وہ جو درج تھا ترے بخت میں، سو وہ ہوگیا، اُسے بھول جا
نہ وہ آنکھ ہی تری آنکھ تھی، نہ خواب ہی ترا خواب تھا
دلِ منتظر تو یہ کس لئے، ترا جاگنا، اُسے بھول جا

سیاحت اردن-قدیمی شہر ''جیریش'' کی سیر

(عطاء القادر طاہر-لندن)-قسط پنجم

جیریش کا قدیمی شہر کھنڈرات کی صورت میں موجودہ شہر سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہے۔یہ شہر یونانی اور رومن عہد میں آبادی اور تجارتی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔اس عظیم شہر کی بنیاد اسکندر اعظم کے ایک جنرل جس کا نام ''پرڈ کاس'' تھا، نے رکھی تھی۔ یہاں اس نے اپنے فوجیوں کی آبادکاری کا انتظام کیا تھا۔یہ قریباً ۳۳۱ قبل مسیح کے موسم بہار کی بات ہے جب اسکندر اعظم مصر سے روانہ ہو کر شام اور میسا پوٹیمیم کی فتوحات کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔جریش کے کھنڈرات رومن عہد کے کسی بھی پائے جانے والے آثار قدیمہ کی مکمل ترین صورت میں موجود ہیں۔یونانی عہد کے مشہور ریاضی دان ''نکوماچس'' (۶۰ ق م تا ۱۲۰ ق م) کی پیدائش بھی اسی شہر میں ہوئی تھی۔حالیہ ہونے والی کھدائی سے یہ پتہ لگایا گیا ہے کہ اس شہر میں آبادی کی ابتداء 'کانسی' کے زمانہ (۳۲۰۰ ق م تا ۱۲۰۰ ق م) سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ بعد میں ''سن ۶۳ ق م'' میں رومیوں نے اسے فتح کر لیا اور رومی سلطنت کے صوبہ ''شام'' میں شامل کر لیا۔اس کے بعد 90 عیسوی میں اس شہر کو رومی سلطنت کے زیر انتظام صوبہ ''عربیا'' کا حصّہ بنا دیا گیا جس میں ''فلاڈلفیا'' کا شہر بھی شامل تھا جو موجودہ ''عمّان'' کہلاتا ہے۔رومیوں نے اس شہر کی حفاظت اور امن کیلئے خاطر خواہ انتظامات کیے جس کے باعث وہاں کے لوگ تجارت اور تعمیری کاموں میں مصروف رہنے لگے اور اس کے نتیجہ میں آسودگی کی زندگی کے حامل ہوئے۔۱۰۶ء میں رومی شہنشاہ ''تراجان'' نے

صوبہ بھر میں سڑکوں کا ایک جال تعمیر کروایا جس سے جریش تجارت کا مرکز بن گیا اور مزید خوشحال ہو گیا۔۱۲۹ تا ۱۳۰ عیسوی میں رومی شہنشاہ ''ھادریان'' نے 'جریش' کا دورہ کیا جس کی یادگار کے طور پر ''ھاڈرین'' آرچ تعمیر کی گئی جو آج بھی قائم ہے۔

سن ۶۱۴ عیسوی میں ''پرشیا'' نے 'جریش' پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور شہر زوال پزیر ہو گیا۔ بعد ازاں ''بنو امیّہ'' کے زمانہ میں اس شہر کی شان و شوکت بہت حد تک پھر بحال ہو گئی۔

۷۴۹ عیسوی میں ایک شدید زلزلے کے باعث اس شہر کا زیادہ تر حصّہ تباہ ہو گیا۔بعد میں صلیبی جنگوں کے لئے آنے والی یورپین عیسائی فوجوں نے اسے ایک قلعہ نما شکل دے دی جس میں ''آرتیمس'' کا مندر بھی شامل ہے۔مزید برآں مختلف اسلامی دورے حکومت جن میں ''ایوبی'' ''مملوکی'' اور ''عثمانی'' مملکتیں شامل ہیں، اس شہر کی مضافاتی آبادیاں بڑھتی رہیں ہیں۔ ۱۹۲۰ء سے لیکر آج تک اس کی کھدائی اور تعمیر ہنوز جاری ہے۔(...جاری)

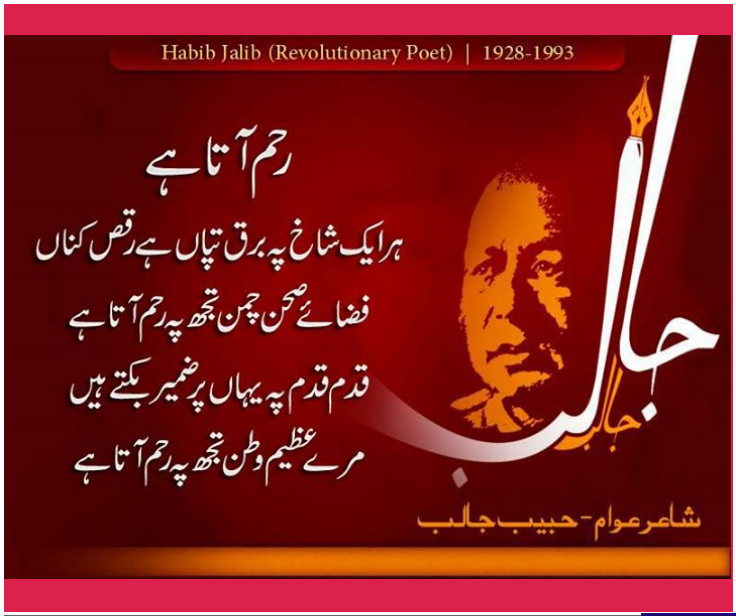

ایک عظیم سائنس دان۔ پروفیسر عبدالسلام

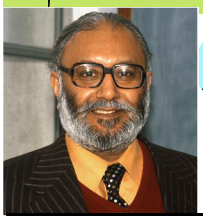

لوہاروں کا کالج۔ تحقیقی سائنس کا مرکز

(آصف علی پرویز)..قسط:22

دوست: آپ نے پچھلی گفتگو میں ذکر کیا تھا کہ پروفیسر عبدالسلام صاحب نے اپنے تحقیقی کاموں میں بے انتہا تیزی کر دی اور آپ کے تحقیقی مضامین بین الاقوامی میگزین میں شائع ہونے شروع ہو گئے۔

آصف: وقت کے ضیاع کو آپ عملاً ایک گناہ سمجھتے تھے۔ آپ کے کام کا دن تہجد کی نماز کے وقت سے شروع ہو جاتا تھا۔ ہفتہ اور اتوار کی چھٹی کا آپ کو علم ہی نہیں تھا۔ کام، کام اور محض کام آپ کا موٹو تھا۔

دوست: نہ جانے آپ کے ساتھ کام کرنے والے کیونکر اس تیز رفتاری کا ساتھ دیتے ہوں گے؟

آصف: آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سنا دوں۔ ایک دفعہ ان کی سیکرٹری نے نائب صدر شعبہ سے شکایت کی کہ جب پروفیسر سلام صاحب مجھے ڈکٹیشن دینے کیلئے بلاتے ہیں تو نہ تو مزاج پُرسی کرتے ہیں، نہ مجھ سے آنکھ ملا کر بات کرتے ہیں۔ بس ڈاک کی رفتار سے لکھوانا شروع کر دیتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اس سے ہمدردی کی اور کہا کہ شکر کرو، وہ تم سے آنکھ نہیں ملاتے ہیں.. ورنہ تم ڈر ہی جاتیں..! لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے ایک ایک سیکنڈ کا بہترین استعمال کرنا جانتے تھے۔

دوست: کیا آپ کی زیر نگرانی بعض طلباء نے Ph.D. بھی کی؟

آصف: آپ کی زیر نگرانی 50 سے زائد طلباء نے Ph.D. کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی جن میں سے پاکستانی بھی تھے جو پھر پاکستان میں اونچے اونچے عہدوں جیسے ڈین آف سائنس اور وائس چانسلر بنے۔ میں پہلے ہی ذکر کر آیا ہوں کہ آپ کے ایک شاگرد نے نوبل انعام بھی حاصل کیا۔

دوست: کیا برطانیہ کی رائل سوسائٹی نے بھی آپ کو اپنا ممبر بنایا؟

آصف: یقیناً.. آپ صرف 33 برس کی عمر میں رائل سوسائٹی (Royal Society) کے فیلو منتخب ہوئے جو کہ غیر معمولی طور پر ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

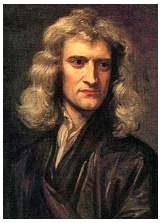

دوست: کیا Ph.D. سے بھی بڑا ہے؟

آصف: Ph.D. کی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ رائل سوسائٹی برطانیہ کی سب سے قدیم سوسائٹی ہے اور نیوٹن کے زمانہ سے اس کا آغاز ہوا۔ برطانیہ کا ہر نوبل انعام یافتہ سائنس دان اس کا ممبر ہے۔ اس کا فیلو بننے کیلئے ضروری ہے کہ کم از کم اس کے حاضر دو فیلو اعلیٰ تحقیق کی بنیاد پر کسی کا نام پیش کریں۔ پروفیسر

ہگز جن کو 2013ء کا نوبل انعام ہگز بوسان (Higgs Boson) ذرہ کی دریافت پر ملا تھا، وہ بھی اس سوسائٹی کے ممبر تھے۔

دوست: مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے اس بارہ میں مجھ سے تفصیلی گفتگو کی تھی جو المنار جنوری 2014ء میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ بتائیں کہ آپ نے یہاں رہ کر اور کیا بین الاقوامی ایوارڈ جیتے؟

آصف: 1957-58 میں آپ کو (Parity Violation) پر مشہور نوبل انعام یافتہ سائنس دان ہوپکنز (Hopkinz) کے نام پر جاری کردہ ہوپکنز انعام کے طور پر طلائی تمغہ پیش کیا گیا۔ اسی طرح 1958 میں آپ کو ایڈمز تمغہ (Adams Medal) عطا کیا گیا۔

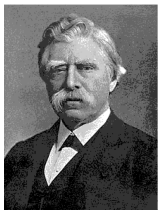

دوست: کیا رائل سوسائٹی نے بھی آپ کو کسی اعزاز سے نوازا؟

آصف: 1961ء میں رائل سوسائٹی نے مشہور سائنس دان پروفیسر Hughes کے نام پر جاری کردہ Hughes Medal دیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اسی طرح برطانیہ کی سب سے بڑی سائنسی سوسائٹی یعنی

Physical Society نے آپ کو میکسویل تمغہ 1962ء میں عطا کیا۔

دوست: یوں لگتا ہے کہ آپ کی غیر معمولی تحقیقات کے نتیجہ میں دنیا نے آپ کی بہت پذیرائی کی اور بالآخر سائنس کی دنیا کا سب سے بڑا انعام نوبل انعام ملا۔

آصف: یقیناً ایسا ہی ہے... اس کی تفصیل کسی اور مجلس میں انشاء اللہ۔